بنیاد جلد ۵، ۲۰۱۴ء

محمد علی اثر

محمد علی اثر*

دکنی کی ایک نایاب مثنوی 'ظفر نامۂ عشق'

گذشتہ چالیس پچاس برسوں کے دوران دکنی اور گجری زبان و ادب کے ایک قابلِ قدر سرمایے کی بازیافت و اشاعت کے باعث تاریخ ادب اردو چھے سو (۶۰۰) سال کی قدامت اختیار کرچکی ہے۔ایک طرف یہ نیک شگون اور قابل تحسین بات ہے، تو دوسری طرف اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ اردو شعر و ادب کا ایک قابل لحاظ حصہ ہنوز اہل اردو کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ ہمارے ادب کی تاریخ کو متمول بنانے کے لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ سولھویں صدی سے اٹھارویں صدی عیسوی تک قدیم اردو کے جو نثری رسائل اور شعری تخلیقات، مخطوطات کی شکل میں برصغیر ہند و پاک کے علاوہ دنیا بھر کے عجائب گھروں اور کتب خانوں میں بکھرے پڑے ہیں، انھیں مرتب و مدوّن کر کے منظر عام پر لایا جائے۔اس خصوص میں مختلف ذخیرہ ہائے مخطوطات کی توضیحی فہارس ہمارے لیے رہنما ثابت ہوں گی۔

اس مضمون میں ہم، آج سے تقریباً سوا تین سو سال قدیم ایک غیر مطبوعہ اور نادر و نایاب مثنوی ظفر نامۂ عشق کا تعارف کروا رہے ہیں۔اس کے مصنف کا نام سید مظفر ابن سید ایوب شاہ ہے۔مثنوی ظفر نامۂ عشق کے اب تک چھے (۶) قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ دو کتب خانۂ سالار جنگ حیدرآباد کی زینت ہیں۔[1] ایک ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد کا مخزونہ ہے۔[2] ایک آندھرا پردیش

اوریجنل مینو اسکرپٹ لائبریری اینڈ ریسرچ سنٹر (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد) میں موجود ہے۔[۳] اور دو قلمی نسخے انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان میں محفوظ ہیں۔[۴]

کتب خانۂ سالار جنگ کے مخزونہ نسخوں کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے۔

> مظفر تخلص، غالباً سید مظفر نام ۔اس کے حالات کسی قدیم اور جدید تذکرے میں نہیں ملتے اور اس کی مثنوی سے بھی کوئی رہبری نہیں ملتی۔[۵]

ڈاکٹر زور اس مخطوطے کا تعارف کرواتے ہوئے اطلاع دیتے ہیں کہ:

> سید مظفر مازندرانی ابوالحسن قطب شاہ (۱۰۹۲۔ ۱۰۸۹ھ) کا پہلا دیوان تھا اور بعد کو اس سے ناراض ہوکر اورنگ زیب عالم گیر(م ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء) کی خدمت میں چلا گیا۔[۶]

اس مثنوی کا دوسرا نام قصۂ مہر و ماہ بھی ہے، جسے مظفر نے فارسی سے دکنی اردو میں منتقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

مظفر توں رکھ اس حکایت کوں یاں ظفر نامۂ عشق کا کر بیاں
لکھا ہوں یہ میں قصۂ مہر و ماہ مطالع کریں تا گدا اور شاہ
رکھا تو ''ظفر نامۂ عشق'' نام بجز عشق یاں عقل کا نئیں ہے کام

''مہر وماہ'' کے نام سے فارسی میں کئی مثنویاں ملتی ہیں۔ ایک تو عاقل خاں رازی کی مثنوی مہر و ماہ ہے جو ۱۰۶۵ھ کی تصنیف ہے ۔اسی نام کی دوسری مثنوی منشی غلام حسین جوہر بیدری کی ہے، تیسری مثنوی نواب علی بہار علی رئیس باندہ اور چوتھی جمال دہلوی (۹۰۵ھ) کی ہے۔ ڈاکٹر زور کا خیال ہے کہ مظفر کی پیش نظر مثنوی اوّل الذکر شاعر کی فارسی مہر و ماہ کا دکنی میں منظوم ترجمہ ہے لیکن اس نے عاقل خاں کا نام تک نہیں لیا ہے۔[۷]

مثنوی ظفر نامۂ عشق کی اندرونی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مظفر ایک عالم اور صوفی شاعر تھے۔ اس کے والد سید ایوب شاہ ہی اس کے پیر و مرشد تھے۔ اس مثنوی میں مظفر نے حمد ونعت اور

معراج کے بیان اور مدح بادشاہ کے بعد اپنے والدین کی تعریف میں متعدد اشعار کہے ہیں۔ پہلے صفت سید ایوب شاہ کی سرخی کے تحت چند اشعار دیکھیے:

مرے تن کے من اب مرے والدین انوں کی ہے خدمت سدا مجھ پو دین
مرے ہیں ولی نعمت نام دار انوں پر سوں ہے جیوں میرا نثار
دو عالم میں ان سوں مجھے عز و جاہ مرے پیر و مرشد ہیں ایوب شاہ
انوں کی سو خدمت ہے طاعت مری جو ہے حکم ان کا عبادت مری
نبوت کے کھن پر کا اختر ہے او ولایت کے دریا کا گوہر ہے او
کلامِ خدا کے موافق کلام کریں کاملاں سات مل صبح و شام

ان اشعار کے بعد شاعر نے اپنے ایک پیر بھائی شیخ احمد کی تعریف میں اشعار کا سلسلہ شروع کیا ہے اور ان کو ''مولوی زماں'' اور ابوالفضل سے زیادہ عالم و فاضل کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ بعدازاں مظفر نے اپنی والدہ کی تعریف ''صفت والدۂ مصنف'' کے عنوان سے کی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت شاعر کے والدین بقید حیات تھے:

کہوں یاں سوں میں مدح مادرے کہ او عفت فاطمہ خوش دھرے
انو شان و شوکت میں بلقیس ہیں بزرگی میں جیوں کھم پو بہ جیس ہیں
کہ او پاک دامن ہیں مریم صفت کہ دھرتے ہیں دائم دھرم ہو رست
انو کا ہے دل آئینہ یا ہے سور جو نورِ خدا واں کیا ہے ظہور
الٰہی مناجات دن ہور رین میں منگتا ہوں جو در حقِ والدین
توں کر مجھ مناجات کوں مستجاب کہ اے خالق ماہتاب آفتاب
فلک پر مہ و مہر ہے جب تلک انوں کوں تو خوش حال رکھ تب تلک
اچھو سر اُپر میرے او سائبان جو ہے لگ زمیں پر سدا آسمان

ظفر نامۂ عشق کی زبان وبیان اور لسانی خصوصیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بارھویں صدی ہجری کی تصنیف ہے، تاہم اس کے مختلف نسخوں کی کتابت بارھویں اور تیرھویں صدی کے درمیانی زمانے میں ہوئی ہے۔ اس لیے اس مثنوی کی قطعی تاریخ تصنیف کا تعین دشوار ہے۔ مولوی نصیر الدین

ہاشمی نے کتب خانۂ سالار جنگ کے قلمی نسخے (مخطوطہ نمبر ۷۷۳) کے ایک شعر کے متوازی لکھی گئی تاریخ ۱۱۲۰ھ سے قیاس کیا ہے کہ شاید یہی تاریخ تصنیف ہو۔ چنانچہ انھوں نے لکھا ہے:

> ایک شعر کے ساتھ ۱۱۲۰ھ لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تاریخ تصنیف ہو۔[8]

ہاشمی صاحب کا یہ بیان اس لیے محلِ نظر ہے کہ سید مظفر نے یہ مثنوی عہد عالم گیر میں تصنیف کی ہے اور عالم گیر نے ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں وفات پائی۔ شاعر نے بادشاہِ وقت کو درج ذیل الفاظ و تراکیب سے یاد کیا ہے۔

> شہِ کامراں، شاہِ ابلابلی، جہاں کے شاہاں میں ولی، قوی طالع، شاہ بلند اختر، رسول خدا کا خلاصہ، شیر خدا کا شاگرد، سخاوت اور شجاعت میں لاثانی، عالم باعمل وغیرہ۔

مخاطبت کے مذکورہ بالا تراکیب اور الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مثنوی اورنگ زیب عالم گیر کے حینِ حیات لکھی گئی ہے اور یہ شواہد اور دلائل اس بات کا پتا دیتے ہیں کہ ظفر نامۂ عشق عالم گیر کی وفات ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۷۰۷ء سے قبل کی تصنیف ہے۔ مدح عالم گیر میں مظفر نے اٹھائیس شعر کہے ہیں۔ چند شعر یہ ہیں:

صفت بادشاہ اورنگ زیب غازی

شہِ کامراں شاہِ ابلابلی　　جہان شہاں میں ہے بے شک ولی
خدا کے جو خاصاں میں خاصہ ہے اُو　　رسولؐ خدا کا خلاصہ ہے اُو
سو اُو کون جو شاہ اورنگ زیب　　کیا فکر کوں دور اس کا نہیب
دھریں لطف سو اس پو آلِ رسول　　اچھے شاخ پر سائباں جیوں کہ پھول
رہے اس کے سائے میں خلق خدا　　دل و جاں سوں کرتے دعا و ثنا
معلم ہر اک علم کا باعمل　　کیا ہے سبھی علم مشکل کو حل
ہے معلوم علم حقائق دسے　　ہے مکشوف علم حقائق اُسے
قوی طالع و شاہ اختر بلند　　کمند سٹ پکڑتا ہے کیواں کوں بند
نہ ہوتا اگر شاہ اے دستگیر　　تو ہوتا بلا میں سکندر اسیر
شجاعت میں رستم اُپر لاف ہے　　صفت شہ کی از قاف تا قاف ہے

شجاعت میں شاگرد شیر خدا　　غنیم اُس انگے جیوں خُتم کا مندا
جہاں میں چلے فوج شہ کی، جہاں　　اٹھے غلغلا لا مکاں لگ وہاں
سخاوت میں کیں اس کا ثانی نہیں　　ہور اس گیان کا کوئی گیانی نہیں
کہوں کیوں عدالت میں نوشیرواں　　اُو کافر ہے یہ شاہِ اسلامیاں
سپر یوں دیا خلق کوں شاہ کا　　کہ جیوں نون نصرٌ من اللہ کا

مظفر کی اس مدح عالم گیر کے مطالعے کے بعد ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لکھا ہے کہ:

> میر جعفر علی زٹلی نارنولی نے اورنگ زیب کی جو اردو مدح لکھی تھی وہ بھی اسی بحر اور اسی اسلوب میں لکھی ہے۔ بعض مصرعے اور ترکیبیں بھی ایسی ہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زٹلی نے قیام دکن کے زمانے میں یہ مثنوی ضرور پڑھی تھی اور اپنے خاص مزاحیہ انداز میں اس نے اسی مدح کا خاکہ اڑایا ہے۔[9]

سید مظفر اورنگ آبادی کے دل میں ابن نشاطی گولکنڈوی مصنف پھول بن کی طرح خیال آیا کہ دنیا میں کوئی ایسی عشقیہ تصنیف یادگار چھوڑی جائے، جس کے سبب شاعر کا نام تا ابد زندہ رہے۔ چنانچہ مظفر کی نظر فارسی قصۂ مہر و ماہ پر پڑی اور اس نے اس مثنوی کا دکنی میں منظوم ترجمہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس سلسلے میں جب اس نے فارسی قصے کا مطالعہ کیا تو اس میں اسے بہت خامیاں نظر آئیں۔ اس لیے شاعر نے اپنے ذوقِ سخن سے کام لیتے ہوئے خود ہی قصے کو درست کرکے لکھا ہے۔

دیا فارسی قصۂ مہر و ماہ　　منگیا کرنے دکھنی سوں میں ترجمہ
سو ویسے میں دل مجھ دیا یوں خبر　　نہ کر ترجمہ فارسی کا ظفر
لکھا ہے غلط قصۂ فارسی　　تو پڑھ دیکھ دل ہے ترا آرسی
ہوا دل سوں شاگرد میں شاد ہو　　او کہنے لگیا قصہ اُستاد ہو
لکھا ہوں یہ قصہ سراپا صحیح　　ہے معنی بلیغ و عبارت فصیح

مثنوی ظفر نامۂ عشق کے قصے کا خلاصہ مولوی نصیر الدین ہاشمی کے الفاظ میں یہ ہے۔

> ایک بادشاہ کو اولاد نہیں تھی۔ ایک زاہد کے پاس دعا کے لیے گیا۔ زاہد نے دروازہ نہیں کھولا۔ زاہد کو غیب سے ہدایت ہوئی کہ ایک بادشاہ تیرے پاس آتا ہے اور تو اس سے ملنے سے گریز کرتا ہے۔ یہ سن کر زاہد باہر آیا اور بادشاہ کو خوش خبری دی کہ خدا تیرا

مقصد پورا کرے گا چنانچہ بادشاہ کو فرزند تولد ہوا (جس کا نام مہر رکھا گیا) جب (وہ) سترہ سال کا ہوا تو دریائی سفر پر روانہ کیا گیا۔ اس سفر میں شہزادہ (ماہ نامی ایک حسینہ کے) عشق میں مبتلا ہو گیا۔ مصیبتیں جھیلیں، آفتیں برداشت کیں بالآخر کامیاب واپس آ گیا۔[10]

ظفرنامۂ عشق میں اٹھارویں صدی عیسوی کی دکنی زبان وبیان کا بہترین نمونہ محفوظ ہو گیا ہے۔ بقول افسر صدیقی امروہوی اس میں بعض ایسے الفاظ بھی نظم ہیں جنھیں موجودہ فصحا درست نہیں سمجھتے۔ چند اشعار میں خط کشیدہ الفاظ دیکھیے:

مری راہ روشن کر اس طرح سوں   دکیں تس سے تا نیک معنوں کاموں

دھرو یاد اس نکتۂ چند کوں   پھراو نکو اس کی رحمت سے موں

گیا بعد ازاں اس موین کے حضور   کہا وے سلکھن سا پر کے سور

بزاں کاڑ کر نامۂ رنج کوں   دیے دل ربائی سخن سنج کوں

شکاری جناور سو وہ نام دار   جھنڈیاں پرندیاں کو پکڑے شکار

سدا رکھ کو رکھوال ماں باپ کو   کراتا ہے ترتیب یوں چاؤ سوں

مثنوی ظفر نامۂ عشق بارہ ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل ایک ضخیم مثنوی ہے جسے شاعر نے متعدد ابواب میں تقسیم کر کے ہر عنوان کو کہیں دکنی نثر میں، کہیں فارسی نثر میں، کہیں نصرتی کی طرح شعر کی صورت میں لکھا ہے جیسے "در صفت سید ایوب شاہ"۔ "شب را ملاقات نمودن عاشق و معشوق مہ و مہر"۔

مزید برآں ہر نئے مضمون کے آغاز سے پہلے کہیں رباعی، کہیں قطعہ، کہیں فرد غرض کوئی نہ کوئی صنف موجود ہے۔ اسی طرح مثنوی کے درمیان بھی غزلیں، قطعات، رباعیاں، دوہرے اور منظوم

خطوط شامل ہیں۔[11]

سید مظفر کا ایک مرثیہ (نوحہ) کتب خانۂ انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان کی ایک قلمی بیاض میں محفوظ ہے۔ اس مرثیے کا تعارف کرواتے ہوئے مولوی افسر صدیقی امروہوی نے اطلاع دی ہے کہ:

> مظفر ایک غیر معروف شاعر ہے۔ ان کا یہی مرثیہ ادارۂ ادبیات اردو کی (بیاض مراثی) نمبر ۸۲۹ میں بھی موجود ہے۔[12]

چونکہ یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ اس لیے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

سنو عزیزاں نبیؐ کے من کوں جلائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
علی کے گھر کے چراغ روشن بجھائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
بیٹے پو جس کوں رسول کے گھر گلے کوں بوسہ دیے مہر سوں
بیٹے پوچڑ تس گلے پو خنجر چلائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
وجود جس کا جو فاطمہ کے جگر کے لھو سوں، ہوا تھا پیدا
کر اس کو زخمی لھویاں سلھو میں نھلائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
اتھے جو معصوم شیر خوارے اسے نہ دے نیر تیر مارے
ہزار افسوس حیف در حیف دل دکھائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
نبیؐ کے سائے میں رات ہور دن بڑھے سو اس پاک داماں کوں
کھولے سراں ہور پاؤں ننگے چلائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں
ہر ایک دم پر ہزار لعنت کرے تو کم ہے
حسین مظلوم کا قبیلہ کھپائے ہائے وائے یو ظالماں کیوں

ظفر نامۂ عشق کے نسخۂ ادارۂ ادبیات اردو میں مدح اورنگ زیب عالمگیر سے پہلے جو نثری عنوان لگایا گیا ہے وہ اوراق ماقبل میں دیا گیا ہے، لیکن انجمن ترقی اردو کراچی کے قلمی نسخے میں درج ذیل رباعی مدح بادشاہ سے قبل بطور عنوان موجود ہے۔

کون آوسکے جس کے جس کا شمشیر   مشہور ہے جگ میں اور جگ کے چوپھیر

کہ کفر کو رد دیا ہے دین کو قوت   سو کون شہ شہاں، شہ عالم گیر

کتب خانۂ سالار جنگ کے مخطوطے میں مثنوی ظفر نامۂ عشق کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

سخن کے گلستاں کا عندلیب　　　کیا اس حکایت کوں یوں کھول حبیب

ڈاکٹر زور نے اطلاع دی ہے کہ ادارۂ ادبیات اردو کا نسخہ ناقص الاوّل ہے۔ افسر صدیقی امروہوی نے اس مثنوی کے ابتدائی اشعار درج ذیل قطعے کی شکل میں پیش کیے ہیں۔[۱۳]

تجھ حسن کے دریا کو وسعت جتنا　　　کیوں قطرہ کہے کہ وہ ہے اِتنا اِتنا

یہ حمد کیا ہوں میں یک قطرہ مثال　　　معلوم نہیں میں کیا ہوں مرا بُد کتنا

جہاں تک ظفر نامۂ عشق کے اختتامی اشعار کا تعلق ہے۔ اس مثنوی کے تمام نسخوں (سوائے ناقص الآخر) میں یکسانیت نظر آتی ہے۔ جو اس طرح ہے۔

یہاں قصۂ مہر و مہ ہوچکا　　　یمن کا جو احوال باقی رہا

سو ہے قصۂ پنجۂ آفتاب　　　بنی یک علاحدہ خاصی کتاب

بجلد دوم ذکر او بالتمام　　　مفصل ہوا ہے یہاں لا کلام[۱۴]

دکھو دوسرے کتیں شوق سات　　　کماحقہ پوری سمجھوگے بات

میں اب خامہ کوں ہات سے اپنے دھر　　　کیا ختم نامہ یہ صلوات پر

ان اشعار کے مطالعے سے پتا چلتا ہے ظفر نامۂ عشق کے بارہ ہزار اشعار مکمل ہونے کے بعد بھی اس مثنوی کا قصہ باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے شاعر چاہتا تھا کہ دوسری جلد میں اسے پنجۂ آفتاب کے عنوان سے مکمل کردیا جائے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مظفر کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا اور پھر کم وبیش ایک صدی کے بعد ۱۲۱۵ھ میں آرکاٹ کے نواب عبدالحسین خاں رئیس الامرا نے اپنے درباری شاعر شیخ احمد مذنب کو سید مظفر کی مثنوی ظفر نامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس میں یمن کے حالات ادھورے رہ گئے تھے جس کے لیے مظفر نے دوسری مثنوی پنجۂ آفتاب مختص کی تھی۔ لہٰذا اس مثنوی کا سلسلۂ کلام آگے بڑھاتے ہوئے تو پنجۂ آفتاب مکمل کرکے شتاب میرے پاس لے آ

اور اس کے صلے میں مجھ سے "در بے مول" حاصل کرلے۔

کہا قصۂ پنجۂ آفتاب　　　تو کر نظم لے آ مجھ پاس شتاب

مظفر کہا قصۂ مہر ماہ　　　کہ بیگا اس سے بہ احوال راہ

یہ حصہ ترا ہے اِسے بول تو　　　صلے میں لے دُر مجھ سے بے مول تو

مذنب نے پنجۂ آفتاب آٹھ ہزار اشعار میں مکمل کی۔ داستان کا آغاز ان اشعار سے کیا ہے۔

مہر، ملکِ مشرق کا جو بادشاہ　　　وہ کر شاہزادی مغرب کو بیاہ

لے باشان شوکت [. . .] ساتھ فوج　　　چلا مثل دریا کے بس مار موج

جو سرحد میں داخل یمن کی ہوا　　　پڑا عام اور خاص میں غلغلہ

پنجۂ آفتاب میں مذنب نے اپنے مربی و محسن نواب عبدالحسین خاں رئیس الامرا کی مدح بھی کی ہے۔ اس مثنوی کی تصنیف کے وقت نواب صاحب کی والدہ بقید حیات تھیں۔ شاعر نے نواب کے پسر اور دختران کی درازی عمر کے لیے دعا بھی کی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے عبدالحسین خاں بہادر نواب　　　رئیس الامراء ہے جس کا خطاب

یقیں ملک ہندوستان بیچ آج　　　اسی کوں سمجھتے ہیں روشن سراج

جوانی میں ہیں ایسے عابد کہاں　　　بھی دولت میں ہیں ایسے زاہد کہاں

رہے سایۂ والدہ اس اوپر　　　جیو دختراں اور اس کا پسر

حوالہ جات

* سابق پروفیسر اردو، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، دکن، انڈیا۔

۱۔ نصیرالدین ہاشمی،اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست۔ کتب خانہ سالار جنگ مخطوطہ نمبر ۲۱۷ (حیدرآباد، ۱۹۵۷ء)، ص ۲۱۶۔۲۱۸۔

۲۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو ، جلد پنجم (حیدرآباد: ادارۂ ادبیات اردو، ۱۹۵۹ء)، ص ۴۹۔

۳۔ نصیرالدین ہاشمی،اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اردو مخطوطات، جلد اول (حیدرآباد: انجمن خواتین دکن، ۱۹۶۱ء)، ص ۱۰۷۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس کتب خانے کا نام ابتدا کتب خانۂ آصفیہ تھا، بعد میں یہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری سے موسوم ہوا اور اب اس کا نام اورینٹل مینواسکرپٹ لائبریری ہوگیا ہے۔

۴۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانۂ انجمن ترقی اردو پاکستان کے مخطوطات، جلد پنجم (کراچی: ۱۹۷۸ء)، ص ۱۷۵۔

۵۔ نصیرالدین ہاشمی،اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست۔ کتب خانۂ سالار جنگ ص ۲۱۶۔

۶۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو، جلد پنجم، ص ۴۹۔

۷۔ ایضاً، ص ۵۰۔

۸۔ نصیرالدین ہاشمی،اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اردو مخطوطات، جلد اول، ص ۱۰۸۔

۹۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو، جلد پنجم، ص ۵۰۔

۱۰۔ نصیرالدین ہاشمی،اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اردو مخطوطات، جلد اول، ص ۱۰۸۔

۱۱۔ افسر صدیقی امروہوی، کتب خانۂ انجمن ترقی اردو پاکستان کے مخطوطات، جلد پنجم، ص ۱۷۶۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۷۶۔

۷۶

مآخذ

امروہوی، افسر صدیقی۔ کتب خانۂ انجمن ترقی اردو پاکستان کے مخطوطات۔ جلد پنجم۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۸ء۔

زور، ڈاکٹر محی الدین قادری۔ تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو۔ جلد پنجم۔ حیدرآباد: ادارۂ ادبیات اردو، ۱۹۵۹ء۔

ہاشمی، نصیرالدین۔ اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست۔ کتب خانۂ سالار جنگ۔ حیدرآباد: سالار جنگ پبلشنگ کمیٹی، ۱۹۵۷ء۔

________۔ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اردو مخطوطات۔ جلد اول۔ حیدرآباد: انجمن خواتین دکن، ۱۹۶۱ء۔